اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جناب الحاج قاری محمد بشیر الدین صاحب پنڈت ایم اے علیگ شاہجہانپور

(۲)

سلطان ٹیپو نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کرلے لیکن وہاں سے "عہدِ معاونت" کی ذلیل شرطیں پیش کی گئیں جن کو اس نے ٹھکرا دیا، اس کی غیور طبیعت نے وفادار فرانسیسیوں کو انگریزوں کے حوالہ کرنا اور خود مطیع ہوکر رہنا گوارا نہیں کیا، لڑائی صلح کی گفتگو کے دوران میں بھی جاری رہی، اور بقول مصنف "نشانِ حیدری" "قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی"[۲۶] قلعہ کی مدافعت کے لئے یوں تو ہر جگہ سپاہ مختلف سپہ داروں کے تحت متعین تھی لیکن قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر انگریزی فوج کی نشانہ بازی کے مرکز تھے، ایک تو وہ پہلو جو حرم سرا کے قریب شمالی فصیل پر تھا یہاں سلطان بذاتِ خود نگرانی کرتا تھا، دوسرا پہلو جنوبی مغربی گوشہ علم بتیری کے قریب تھا۔ انگریزی فوج نے قلعہ میں داخل ہونے کے لئے یہ مقام اپنی جانب سے منتخب نہیں کیا تھا بلکہ سلطان کے غدار امراء و وزراء نے کیا تھا۔ اس حصہ کی مدافعت کے لئے سلطان نے میر معین الدین کو سپہ دار مقرر کیا تھا۔ سید غفار (جو ایک وفادار کمانڈر تھا) اس کے ماتحت تھا۔ میر معین الدین کی غداری محتاجِ ثبوت نہیں۔ لڑائی کے آخری دن یعنی ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو جب انگریزی فوج ادھر سے قلعہ پر حملہ آور ہوئی تو خندق کی حالت میجر بٹسن کی زبانی سنیئے۔ کہتا ہے:۔ "خندق کے اس حصہ میں جس کو پار کرکے انگریزی فوج آگے بڑھی گھٹنوں برابر پانی تھا، گو دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی"[۲۷] اس سے ظاہر ہے کہ میر معین الدین نے جان بوجھ کر خندق کو یا تو خالی رکھایا کوئی ایسی ترکیب کی کہ اس جگہ زیادہ پانی

---

[۲۶] تاریخ خداداد میسور ص ۲۹۹ ۔ [۲۷] ایضاً ص ۳۰۷

نہ بھرنے پائے، سید غفار کے ہوتے ہوئے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے بھی انگریزی فوج کا آگے بڑھنا غیر ممکن تھا اس لئے غداروں نے (بالخصوص میر صادق اور پورنیا نے) سید غفار کو یہاں سے اس بہانے سے ہٹا دیا کہ وہ سلطان کو اطلاع دے آئے کہ شاید حملہ آج ہی ہو، ادھر انگریزی فوج کو اطلاع دیدی گئی کہ حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ مقامی روایات کے مطابق جو سرنگاپٹم، میسور اور بنگلور میں آج بھی عام طور پر مشہور ہیں کہ جب سید غفار سلطان کو اطلاع دے کر واپس لوٹا تو اس کے اوپر سبز چھتری پکڑی گئی تاکہ انگریزی فوج سید غفار کو آسانی کے ساتھ اپنا نشانہ بنا سکے۔ سید غفار کے شہید ہوتے ہی سلطانی فوج کو پورنیا نے تنخواہ لینے کے بہانے سے اپنے پاس مسجدِ اعلیٰ کے قریب بلا لیا تاکہ انگریزی فوج کو بلا روک ٹوک آنے کا موقع مل جائے۔ میر معین الدین نے جھنڈیوں کے ذریعہ انگریزی فوج کو اطلاع دیدی کہ میدان خالی ہے آجائے۔ انگریزی فوج کی رہنمائی کے لئے میر قاسم علی ساتھ تھا۔ فصیلِ قلعہ پر سب سے پہلے وہی چڑھا اس کے بعد جنرل بیرڈ۔[۲۸]

سلطان کو سید غفار کی شہادت کے بہت دیر بعد اطلاع دی گئی جبکہ انگریزی فوج قلعہ میں داخل ہو چکی تھی دوپہر کا وقت تھا، سلطان شمالی فصیل کا معائنہ کرنے کے بعد ڈڈی دروازہ کے سامنے چند آم کے درختوں کے سایہ میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑے آئے اور سید غفار کی شہادت کی اطلاع دی۔[۲۹] سلطان نے کہا "مجاہد موت سے نہیں ڈرتے سید غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا"[۳۰] فوراً ہاتھ دھو کر ہتھیار سجائے، تلوار پر تلے میں ڈالی، دونالی بندوق ہاتھ میں لی۔ اس وقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا اور طاؤس نامی گھوڑے پر سوار تھا۔ ڈڈی دروازے سے نکل کر باڈی گارڈ کے ہمراہ علم بتیری کی طرف بڑھا۔ اس کی اطلاع بھی نمک حرام وزراء نے انگریزی فوج میں پہونچا دی جیسا کہ دریائے دولت[۳۱] کی ایک تصویر

---

[۲۸] تاریخ سلطنتِ خداداد میسور ص۳۹۳۔ [۲۹] و [۳۰] کارنامۂ حیدری ص۹۲۳۔

[۳۱] دریائے دولت :- ایک یورپی سیاح مسٹر ریس جس نے ایران و ہند کی سیاحت کی ہے لکھتا ہے :-

"مجھے سرنگاپٹم میں دریائے دولت کو دیکھ کر اصفہان کے محل یاد آگئے۔ اس محل کا نقش و نگار..... دیکھ کر حیرت ہوتی ہے تمام ہندوستان میں اس قدر منقش و دل فریب عمارت اور کوئی نہیں ہے" سلطان شہید کا یہ محل دریائے کاویری کی شمالی شاخ سے کوئی دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے اور دریائے دولت کے نام سے مشہور ہے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

سے ظاہر ہوتا ہے اس میں میر صادق سلطان کے سامنے کھڑا آداب بجا لا رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ پیچھے مڑ مڑ کر انگریزی فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے۔ ڈڈی دروازے سے نکلتے ہی اس کو میر صادق نمک حرام نے بند کرا دیا تاکہ پھر سلطان واپس نہ آ سکے اور خود گنجام کا راستہ لیا تاکہ وہاں جا کر اپنی کوٹھی میں آرام کرے لیکن بنگلوری دروازہ پر اس کو سلطان کے ایک وفادار سپاہی احمد خاں نامی نے گھوڑے سے کھینچ کر قتل کر دیا۔ اس کو کسی طرح میر صادق کی غداری کا پتہ چل گیا تھا۔[۳۲]

اب میدانِ جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ انگریزی فوج شگاف پر چڑھنے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ پہلے حصہ کو ہدایت دی گئی کہ وہ جنوبی فصیل پر بنگلوری دروازے تک قابض ہو جائے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) یہ دراصل سلطان کا ایوانِ عام ہے جس میں عدل و انصاف کے لئے دربارِ عام منعقد ہوتا تھا۔ عمارت دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل کے ایک کشادہ حجرہ کر میں جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے سلطان کی نشست گاہ تھی۔ سامنے برآمدہ میں اعیانِ دولت اور وزراء کی نشستیں تھیں، اس عظیم الشان عمارت کی تمام اندرونی و بیرونی دیواروں اور ستونوں پر مطلّا و مذہب نقوش ہیں۔

دریائے دولت کی دیواروں پر چند نہایت ہی معنی خیز تصاویر ہیں جو فنِ مصوری کا لاجواب نمونہ ہیں۔ ان میں بعض تو سلطان کے وقت کی ہیں اور بعض مسٹر آرتھر ولزلی نے بنوائی ہیں۔ مغربی دیوار پر جو تصاویر ہیں ان میں اس عہد کے ہندو و مسلم حکمرانوں کی طرزِ معاشرت کو دکھایا گیا ہے۔ ان میں نانا فرنویس، محمد علی آف کرناٹک، نظام علی خاں، بالیا بنو، نواب کڑاپہ اور نواب شاہنور کی تصاویر ہیں۔ مشرقی دیوار پر دائیں اور بائیں طرف دو دو تصاویر ہیں۔ دائیں جانب اوپر والی تصویر میں نظام الملک کی فوج کو ناکام و نامراد واپس جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ نیچے کی تصویر میں غالباً جنگ پولی لور کا نقشہ ہے جس میں کرنل بیلی اسیر حالت میں اپنی شکست پر انگشت بدنداں ہے۔ بائیں جانب کی تصاویر میں اوپر والی تصویر میں نواب حیدر علی کا شاہانہ جلوس دکھایا ہے اور اس کے نیچے جو تصویر ہے اس میں نمک حرام وزراء کی غداری کا نقشہ ہے۔ میر صادق سلطان کے سامنے جو گھوڑے پر سوار ہے آداب بجا لا رہا ہے اور منہ پھیر کر انگریزوں کی فوج کو اشارہ بھی کر رہا ہے کہ سلطان یہی ہے۔ سلطان کے پیچھے کی طرف کوئی غدار امیر گھوڑے پر سوار ہے اور وہ بھی انگریزی فوج کو اشارے سے سلطان کی موجودگی بتلا رہا ہے — تیسری طرف بھی کوئی ہندو وزیر غالباً پورنیا اسی قسم کی حرکت کر رہا ہے۔ سلطان کے دوسرے امراء و وزراء سلطان کا منہ تک رہے ہیں یا انگریزی فوج کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ اس محل میں مسٹر آرتھر ولزلی دو سال تک مقیم رہا ہے۔ لکھتا ہے کہ "جنتِ ارضی یہیں ہے۔"

(بحوالہ سلطنتِ خداداد، محمود صفحہ ۱: ۴۰۶)

قبضہ کرتا ہوا اسی دروازہ پر آکر پہلے حصہ سے مل جائے۔ چنانچہ پہلے حصہ فوج نے بلا دقت و دشواری بنگلوری دروازہ تک قبضہ کرلیا اس لئے کہ یہاں کی جنوبی فصیل کی نگراں فوج کو پورنیا نے پہلے ہی تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے سے ہٹا لیا تھا دوسرا حصہ فوج جو شمالی فصیل پر بڑھا ہوا چلا آرہا تھا۔ اس کو دہلی دروازہ کے قریب آکر سلطان نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ قریباً تین گھنٹہ تک دست بدست جنگ ہوتی رہی، اس اثناء میں اس انگریزی فوج نے جو جنوبی فصیل پر بنگلوری دروازہ تک قابض ہوچکی تھی پیچھے سے گولیاں چلائیں۔ مجبوراً سلطان نے پیچھے لوٹنا شروع کیا۔ جب ڈڈی دروازہ پر پہونچا تو اس کو بند پایا۔ غرضیکہ اسی طرح قدم قدم پر مدافعت کرتا ہوا جب وہ شہر کے بڑے دروازہ کے قریب پہونچا تو جنوب مشرق سے آنے والی انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ ہوگیا جس کی وجہ سے وہ مع اپنے جاں نثاروں کے تین طرف سے گھر گیا۔ اس موقع پر ایک افسر نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کردیں، سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا "یک دمِ شیرے بہ از صد سال میش" یعنی شیر کی ایک دن کی زندگی بھیڑ بکریوں کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

سلطانی جاں نثار آخر تک اپنے شیر دل آقا پر نثار ہوتے رہے۔ مدافعت شد و مد کے ساتھ جاری رہی۔ غداروں سے یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ سلطان بذاتِ خود مدافعت میں شریک ہے انگریزوں نے اپنی پوری طاقت یہاں لاکر جمع کردی۔ ناگاہ ایک گولی سے سلطان کا گھوڑا مارا گیا۔ اور وہ پیادہ پا ہوکر دادِ شجاعت دینے لگا۔ اس کو لڑتے لڑتے کامل چھ گھنٹے ہوچکے تھے لیکن دم خم میں کسی طرح کی کمی نہیں آئی تھی کہ اس کے دل کے قریب ایک گولی لگی اور وہ زخمی ہوکر گر گیا۔ اس سے پہلے دو گولیاں اس کے سیدھے بازو میں لگ چکی تھیں۔ گرنے کے بعد ایک گولی سیدھے کان میں لگی اسی سے شہادت پائی۔[۳۳] مصنف کتاب الاعراس کے مطابق ۱۲ ہزار جاں نثار اپنی اس

---

[۳۳] میڈوز ٹیلر کا کہنا ہے کہ سلطان کے تین گولیاں لگیں اور وہ تشنہ لب شہید ہوگیا۔ (بحوالہ تاریخ سلطنتِ خداداد ص ۳۱۲) میجر آلن لکھتا ہے کہ "سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں" (ایضاً ص ۳۱۷) ان دونوں کے خلاف مصنف کارنامۂ حیدری کا بیان دوسرا ہے لکھتا ہے "سلطان زخمی حالت میں پڑا تھا کہ ایک انگریز سپاہی نے اس کی بیش قیمت تلوار لینا چاہی، سلطان نے اسی حالت میں اس کے ایک ضرب کاری لگائی اس سپاہی نے جواب میں گولی چلائی جو سلطان کی پیشانی پر لگی، اسی کے صدمہ سے اس نے جانِ شیریں جان آفریں کے سپرد کی (کارنامۂ حیدری ص ۹۲۴)

شمعِ آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے، دلّی دروازہ سے لے کر مشہدِ سلطانی[۳۴] تک اگر فاصلہ دیکھا جائے تو نصف میل سے بھی کم ہے اور اس کے ساتھ فصیل کی چوڑائی کو نظر میں رکھا جائے تو ہلکا سا تصور اس قیامت خیز جنگ کا ہو سکتا ہے جو اس فصیل پر لڑی گئی، یہاں ایک ایک انچ پر شہیدانِ وطن کا مقدس خون بٹا ہے۔ انگریزی مورخین نے صرف مقتولین کی تعداد ۶ ½ ہزار بتائی ہے زخمیوں کا کچھ شمار نہیں، مقتولین میں ۱ ½ ہزار انگریزی فوج کی تعداد بھی شامل ہے، اس کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو بھی جنگ کی شدت میں فرق نہیں آتا۔ اس قدر مقتولین کی تعداد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب پورنیا کی غداری سے جنوبی فصیل کی فوج نہتی ہو گئی اور اس کو جب پتہ چلا کہ غداری ہوئی ہے تو وہ اپنے محبوب سلطان کو بچانے کے لئے بغیر ہتھیار اسی طرح آ کر جنگ میں شریک ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں اس قدر لوگ مقتول ہوئے ورنہ اگر ہتھیار رہوتے تو ممکن تھا کہ سلطان انگریزوں کو نکالنے میں کامیاب ہو جاتا یا پھر انگریزی مقتولین کی تعداد اس قدر کم نہ ہوتی۔

بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا اور شیر دل سلطان لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس شہیدِ ملت کی پاک روح کب اپنے قفسِ عنصری سے جدا ہو کر اعلیٰ علیین میں پہونچی۔ گمان غالب ہے کہ مغرب کا وقت ہوگا اس لئے کہ ایک بجے سے لے کر مسلسل چھ گھنٹے یعنی سات بجے شام تک میدانِ کارزار گرم رہا۔ جاں نثارانِ وطن میں مَردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔ کرنل کرک پیٹرک لکھتا ہے "معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کی فوج بھی بنائی تھی"[۳۵] اینیسن جان کنگ جو لاشوں کے اٹھانے پر مامور تھا لکھتا ہے کہ "عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی لاش بھی ملی"[۳۶] مقامی روایت جس کی تائید انگریزی مؤرخین بھی کرتے ہیں یہ ہے کہ "حرمِ سلطانی کی پردہ نشینانِ عفاف بھی اس آخری وقت میں آبروئے وطن و ملّت کی خاطر جان دینے کے لئے میدانِ جنگ میں آ گئی تھیں"[۳۷] میجر بیٹسن جس نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا لکھتا ہے کہ "سلطان کی شہادت سے پہلے ہی سلطانی محل کا محاصرہ کر لیا گیا تھا وہیں جنرل بیرڈ کو سپہ دار سے پتہ چلا کہ سلطان ٹیپو قلعہ کی

---

[۳۴] مشہدِ سلطانی:۔ شہر کی اندرونی کچی فصیل میں جہاں شہر کا اندرونی بڑا دروازہ تھا۔ سلطان داخل ہوتے ہوئے تین طرف سے گھر کر محصور ہو گیا اور شہید ہو گیا۔ میسور گورنمنٹ نے ۱۹۳۹ء میں اس جگہ سنگین کتبہ نصب کرا دیا ہے۔ اس سے پیشتر عوام کی توجہ کو ہٹانے اور مشہدِ سلطانی کو زیارت گاہِ عوام بننے سے روکنے کے لئے محض دھوکا دینے کے لئے واٹر گیٹ پر کتبہ لگوا دیا تھا (تاریخ سلطنتِ خداداد میسور ص ۶۲۴) [۳۵] (تاریخ سلطنتِ خداداد میسور ص ۳۰۵) [۳۶] و [۳۷] ایضاً

اندرونی فصیل کے بڑے دروازے کے پاس زخمی پڑا ہوا ہے، ہم دروازے پر پہونچے۔ تاریکی بڑھتی جارہی تھی۔ بیشمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ تمیز کرنا مشکل تھا...... آخر مشعلیں منگوائی گئیں۔ اسی تلاش میں ہم کو یہاں (سلطان کا ملازم راجہ خاں ملا جو مجروح تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے وہ جگہ بتلائی جہاں سلطان گھوڑے پر سے گرا تھا۔ یہاں تلاش کرنے پر سلطان کی لاش مل گئی...... جس وقت سلطان کی لاش ملی اس کی) آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جسم اس قدر گرم تھا کہ مجھے اور کرنل ولزلی کو دھوکا ہوگیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔[۳۸] نبض دیکھی گئی تو ساکت تھی، سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں، سلطان سفید کپڑے کی قمیص اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے تھا اور ایک سرخ ریشم کا کپڑا کمر پر باندھے ہوئے تھا۔ ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی۔ عمامہ اس ہنگامہ میں کہیں گر گیا تھا۔ سیدھے بازو پر ایک تعویذ تھا جس کو کھولا گیا تو ریشم کے کپڑے کے اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔[۳۹] سلطان کا قد ۵ فٹ آٹھ انچ تھا۔ شانے ابھرے ہوئے۔ گردن کوتاہ اور موٹی تھی۔ ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے۔ رنگ گندمی، آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں، ابرو کمان دار اور ناک خمیدہ تھی۔ چہرہ پر رعب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے اس کی ذات بالا و برتر ہے"[۴۰]

سلطان شہید کی لاش کو پالکی میں رکھ کر محل کے دروازے میں رکھوایا گیا۔ صبح کو جنرل ہیرس کے حکم سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا۔ جنازہ نہایت ہی احترام و احتشام کے ساتھ ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ مطابق ۵ رمئی ۱۷۹۹ء کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا اس کی کیفیت جنرل میڈوز ٹیلر نے اپنی کتاب "ٹیپو سلطان" کے صفحہ ۴۴۳ پر اس طرح بیان کی ہے۔ "جنازہ کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں بقیہ فوج اُن راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا دو رویہ صف بستہ تعظیم کے لئے کھڑی تھیں۔ جنازہ کے ہمراہ سلطان کے اعیان و امراء اور پیچھے سلطان کا دوسرا شہزادہ عبدالخالق سر برہنہ گھوڑے پر سوار تھا۔ جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہائے غم سے نالاں و گریاں تھے ان میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی۔ سیکڑوں آدمی (فرطِ غم سے) جنازے کے آگے آ کر

---

[۳۸] ملا فیروز بن کاؤس نے جارج نامہ دفتر سوم کے صفحات ۳۵۸ تا ۴۱۱ میں جنگ میسور چہارم کا مفصل حال نظم کیا ہے لاش کے متعلق لکھا ہے ؎ چو دیدند تن گرم و دیدار باز :: گمان شان بود زندہ آں سرفراز ص ۴۰۹

[۳۹]، [۴۰]:- بحوالہ کارنامہ حیدری صفحات ۹۲۳ تا ۹۲۶ نیز ص ۹۳ و ص ۹۳۱

لیٹ جاتے تھے۔ بلاتفریق مذہب ہندو و مسلمان عورتیں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتی تھیں[۴۱]..... آسمان پر سیاہ و ڈراونے بادل چھائے ہوئے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے..... فضا کے بھیانک پن سے دلوں پر ایک رعب چھایا ہوا تھا۔ خوف کی وجہ سے سر کو اوپر اُٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، اسی حالت میں جنازہ لال باغ[۴۲] تک پہونچا..... قلعہ سے مائکی توپیں چھوٹ رہی تھیں مگر اُن کی آواز لوگوں کی گریہ وزاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

---

[۴۱] ملاحظہ ہو کارنامۂ حیدری ص ۹۲۶۔ [۴۲] لال باغ:۔ قلعہ کے منسلکہ نقشہ کو دیکھئے۔ جانبِ شرق بنگلوری دروازہ سے گنجام کو جاتی ہوئی سڑک ملے گی۔ گنجام کی آبادی کے اختتام پر لال باغ ہے جس میں گنبدِ اعلیٰ کے نیچے "شیرِ میسور" حضرت ٹیپو سلطان شہید استراحت فرما ہیں۔ سنہ ۱۸۰۴ء تک قلعہ و گنجام کی مشترکہ آبادی ڈھائی تین لاکھ تھی اب مشکل سے چار پانچ ہزار ہوگی۔ یہ مقبرہ سلطان نے خود تیار کرایا تھا۔ اس کی عمارت سطوت و جلال کا مظہر ہے۔ گنبد کے چاروں طرف برآمدہ ہے جو سنگِ اسود کے مرمریں ستونوں پر قائم ہے۔ جنوبی برآمدہ میں اعزاء و اقرباء کی چار مردانی و تین زنانی قبریں ہیں اور مشرقی برآمدہ میں سلطان کی دایہ کی قبر بتائی جاتی ہے۔ مقبرے کے چبوترے پر چاروں گوشوں میں متعدد قبروں کی قطاریں ہیں جو بیشتر اعیانِ سلطنت کی ہیں۔ مقبرہ کے غربی جانب چبوترے سے متصل مسجدِ اقصیٰ ہے خاص گنبدِ اعلیٰ میں صرف تین قبریں ہیں۔ اس کے اندر مشرقی دروازہ سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدۂ ماجدہ کی دوسری عین جنوبی دروازہ کے مقابل اُن کے والد ماجد کی اور تیسری مغربی دروازہ کے مقابل سلطان شہید کی ہے گنبدِ اعلیٰ کی شمالی دیوار میں دروازہ نہیں ہے۔ اس طرح گنبدِ اعلیٰ کے کل تین دروازے ہیں۔ سلطان شہید کے مزار پر سُرخ غلاف پڑا رہتا ہے جو شہادت کی نشانی ہے اسی سرخ غلاف کے نیچے ہندوستان کے آخری دور کے اسلامی جاہ و جلال کی نشانی آسودۂ خواب ہے۔ سلطان شہید گو اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اُن کا جاہ و جلال اور عزت و وقار لوگوں کے دلوں میں بدستور اسی طرح جاگزیں ہے۔ انگریزوں اور ریاستِ میسور میں جو معاہدے ہوئے ہیں اُن میں سلطانی عظمت و جلال کی شان باقی رکھنے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ مقبرے کے دروازے پر پنجوقتہ نوبت بجتی رہے۔ خدام کے لئے ایک خاص سُرخ بانات کی وردی مقرر ہے جو خاص خاص موقعوں پر استعمال ہوتی ہے۔ جب کبھی وائسرائے یا والیِ ریاست آتے ہیں تو انھیں سلامی دی جاتی ہے اور چتر کے سائے میں خدام انھیں مزار تک لاتے ہیں۔

(باقی برصفحۂ آئندہ)

..... تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکل کر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں، جنازہ عین مقبرہ کے روبرو پہونچا۔ بینڈ کا بجنا تھم گیا۔ خطیب اور دوسرے لوگ صفیں باندھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی۔ جیسے ہی اس کی زبان سے تکبیر کے لئے لفظ "اللہ" نکلا ایسا معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے۔ ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی اور ایک زور کی روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ زبردست گرج نے لوگوں کے دلوں کو ہلا دیا اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی اور لفظ نکلا بھی یا نہیں..... نماز ختم ہوئی، لاش کو اس کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا۔ جیوں ہی لاش رکھ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا گیا پھر ایک بجلی چمکی، زوردار کڑک ہوئی اور لوگوں پر لرزہ طاری ہو گیا.....

اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اُترا تھا۔ بجلی کی چمک سے زمین و آسمان ایک ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے اِدھر اُدھر نہ ہٹتی تھیں۔ اس وقت ظاہر ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے۔ درحقیقت آفرینندۂ خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اُتارے۔ اِدھر بندوقیں چھوٹیں اور اُدھر آسمان سے ہزارہا توپیں چھوٹنا شروع ہو گئیں جن کی آواز میں بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی اور یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ فیر کے بعد جو بینڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا گویا بینڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی" میجر بٹسن جو تجہیز و تکفین کے موقعہ پر موجود تھا لکھتا ہے کہ "اِس سانحہ کو دوبالا کرنے کے لئے نہایت ہی سخت اور مہیب طوفان آیا۔ بارش گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی، انگریزی کیمپ پر بجلی گری جس سے دو افسر اور چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔[۴۳]

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے بالفاظِ دیگر سلطان ابھی زندہ ہیں اور ان کا جاہ و حشم برقرار ہے۔ عرس کے موقع پر جو ہر سال ۲۷ ذیقعدہ کو منایا جاتا ہے اس میں سرنگاپٹم کی مسجدِ اعلیٰ سے جلوس کے ہمراہ مہاراجہ میسور کے کچھ سوار و پیادے مع لوازمات جلوس ہاتھی و اونٹ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ حکومتِ وقت کی طرف سے دس حفاظ ایصالِ ثواب کے لئے مقرر ہیں جو ہر روز قرآن پاک پڑھ کر سلطان شہید کی روح کو بخشتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنتِ خداداد میسور صفحات ۵۹۴ تا ۶۲۷) [۴۳] بحوالہ تاریخ سلطنتِ خداداد ۳۲۳

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات رہی کہ ایسا سخت طوفان انھوں نے اپنی عمر میں نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا۔ اتنی بجلیاں گریں جن کا حساب نہیں۔ در و دیوار لرز رہے تھے دریائے کاویری جو اب تک پایاب تھا اس میں یکایک ایسی خوفناک طغیانی آگئی کہ جس کے جوش و خروش کو دیکھ کر دلوں پر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ انھیں یہ حسرت تھی کہ یہ طغیانی ایک دن پہلے کیوں نہیں آئی کہ حملہ ہو ہی نہیں سکتا۔

سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد ایک قہرِ الٰہی تھا جو سرنگاپٹم پر ٹوٹ پڑا تھا۔ ادھر سلطان شہید کی لاش محل میں لائی گئی ادھر ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار[۴۴]، قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ قمری ماہ کی آخری رات تھی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کو جلتے ہوئے مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ پکار، بے بس اور مظلوم عورتوں کے نالہ و فریاد اور زائد بھیانک بنائے ہوئے تھے، شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آرہا تھا اس سے انسانیت کی روح بھی تھرا اٹھتی تھی، گھروں کی تباہی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی، بچوں اور بوڑھوں کا قتل یہ ایسے نظارے تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات اِس مختصر سے خطۂ زمین پر ٹوٹ پڑی ہیں۔

---

[۴۴] لوٹ مار:۔ چار دن تک لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہیں رہا۔ البتہ دوسرے دن جنرل ہیرس نے جنرل بیرڈ کی جگہ کرنل ولزلی کو انتظام پر مامور کر کے بڑے بڑے سرداروں کے گھروں پر فوجی پہرہ ڈال دیا (ماڈرن میسور ص۲۵) کرنل ولزلی اپنے بھائی لارڈ ولزلی کو واقعات کی خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

"۴ مئی کی شب میں سرنگاپٹم پر جو مصیبت آئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی ..... ہمارے کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات، سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیاء کوڑی کے مول بیچ رہے ہیں ..... ایک ایک بیش قیمت موتی ایک شیشۂ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے ..... ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خریدے ہیں ..... ان میں ایک کی قیمت ایک جوہری نے تیس ہزار پونڈ بتائی ہے اور دوسرے کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں ..... ہمارے سپاہی اور افسر اس تمام املاک اور خزانہ کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو محل سے دستیاب ہوا ہے" (ایضاً)

میجر آلن جو اس لڑائی میں شریک تھا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے۔ "قلعہ کی فتح کے بعد سپاہی اپنے کیمپ کو واپس نہیں گئے۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر بڑے بڑے سرداروں اور شرافوں کے گھر لوٹ کر تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

سلطان شہید کی موت حقیقتاً نہ صرف اسلامی جاہ وجلال اور اسلامی شان وشوکت کی موت تھی بلکہ یہ ہندوستان کی غیرت وخودداری کی موت تھی۔ جنرل ہیرس سلطان شہید کی لاش کو دیکھ کر خوشی کے عالم میں بے ساختہ پکار اُٹھا تھا۔ "آج ہندوستان ہمارا ہے" یا کلکتہ کے چیف جسٹس سرجان انیسن ٹروتھر نے اپنی خوشی کا اظہار جو ان الفاظ میں کیا تھا "ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کے لئے کافی تھی ..... اُس کے مرتے ہی ہندوستان پر ہمارا ہمیشہ کے لئے قبضہ ہوگیا" تو کیا ان الفاظ کی صداقت کو جھٹلایا جاسکتا ہے؟ اور کیا آئندہ ہونے والے تاریخی واقعات پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے؟ ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھئے سلطان کی شہادت کے بعد سرنگاپٹم کی کہانی اسی انداز سے ہندوستان کے کون سے گوشے میں نہیں دہرائی گئی۔ وہ دیکھئے ۱۸۰۰ء میں کڈاپہ، کرنول، بلاری، انت پور، تنجور کی آزادی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۰۳ء تک کرناٹک، سورت، اودھ، حیدرآباد، پونا، بڑودہ، ناگ پور، گوالیار، بندھیل کھنڈ، دہلی، جے پور اور جودھپور وغیرہ کو کلوروفارم سونگھا کر آپریشن کے لئے تیار کیا جارہا ہے اور پھر ان میں سے جو بھی عملِ جراحی کیلئے تیار ہوتا گیا اس پر یہ عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۴۰ء کے بعد سندھ اور پنجاب کی بھی باری آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) اگرچہ سلطانی خزانہ پر جہاں بے حساب دولت جمع تھی پہرہ ڈال دیا گیا تھا لیکن کئی ایک سپاہی ایک خفیہ راستے سے دروازہ توڑ کر خزانہ میں داخل ہوگئے۔ عجیب تر بات یہ تھی کہ لوگ لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں بھر رہے تھے مگر ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر لوٹ سے منع کرتے تھے" (ایضاً ص ۲۱۶)

"پرائز کمیٹی جو لوٹ مار کے مال کو تقسیم کرنے پر مامور تھی محل کی دولت دیکھ کر ششدر رہ گئی ..... جواہرات مقفل صندوقوں میں سربمہر تھے، زیورات، بازوبند، گلوبند، انگوٹھیاں اور سر کے آرائش کی چیزیں بے شمار تھیں ..... دو ہودے مکمل چاندی کے اور بہت سے نقرئی طبق ہیرے اور جواہرات سے مزین تھے ..... ان کے علاوہ ملبوسات تھے جو پانچ سو اونٹوں پر بار کئے جاسکتے تھے۔ بیش قیمت فرنیچر اور قالین اندازہ سے باہر ..... مالِ غنیمت میں دوربینیں مختلف قدوقامت کے آئینے اور بیشمار تصویریں تھیں ..... ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے وجواہرات سے مرصع تھیں۔ ایک کمرے میں ایک قیمتی ہودا اور تخت رکھا ہوا تھا ..... اس تمام مالِ غنیمت میں سے جو حصہ جنرل ہیرس کو ملا اس کی قیمت ۲/۱۲ لاکھ ہوتی ہے۔" (ماڈرن میسور ص ۲۵۲)

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنتِ خداداد میسور ص ۳۲۳ تا ص ۳۳۳)

ان کی آزادی بھی سلب ہوگئی اور جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ ۱۸۵۶ء تک لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی "اُصولِ الحاق"
یعنی ڈاکٹرن آف لیپس Doctrine of Lapse نے پوری کردی۔

بیشک آج ہم آزاد ہیں اور آزادی کے لئے تن، من، دھن کو بازی پر لگانے والوں کی یادگاریں قائم کرنا ہمارا فرض ہے لیکن یہ سخت ناانصافی ہوگی کہ ہم وطن وملت کے اُس شہیدِ اول کو بھول جائیں جس نے ہمیں آزادی کا درس دیا اور درس بھی اس وقت جبکہ ہندوستان عہدِ طفولیت کے دور سے گذر رہا تھا۔ سر جادو ناتھ سرکار نے اگر یہ کہا ہے کہ "ٹیپو سلطان اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہوچکا تھا" تو کیا یہ غلط ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر وہ یقیناً وطن وملت کا پہلا شہید ہے اور شہادت کا شرفِ اوّلیت اسی کو حاصل ہے، سلطان شہید کے حالات اس کے عادات واطوار، اس کے طرزِ حکومت، اس کے اخلاقِ حسنہ، اس کے جذبۂ جہاد، اس کی بے تعصبی و رواداری اور اتحاد بین الاقوام اور اتحاد بین المسلمین کے لئے اس کی مساعیٔ جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر کیسے ارفع واعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔ فتح المجاہدین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا ماضی وحال اس کی آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ ہندوستان کی خانہ جنگی کو دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھا اس نے دیکھا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر یورپی اقوام ہندوستان کی آزادی کو سلب کرنے کی فکر میں ہیں، اس کا غیور دل اس کو برداشت نہیں کرسکا کہ ہندوستانی خانہ جنگی میں مبتلا ہوکر دوسروں کے غلام بن جائیں اس لئے اس نے اپنا مقصدِ حیات یہی قرار دیا کہ ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر آزاد کرے مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے جوئے تلے رہ کر منظم ہوسکیں اسی لئے اس نے اعلان کیا تھا کہ "کرناٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت علاقوں سے مسلمان ہجرت کرکے سلطنتِ خداداد کے علاقوں میں آکر آباد ہوجائیں"[۴۵] اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں ازسرِ نو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم ہوسکتی تھی، ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندو رعایا کے معیارِ زندگی کو بھی اونچا اُٹھانے میں کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑی۔ سلطنت کے اعلیٰ عہدے ان کو دیئے، تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے ہر شعبہ میں ترقی کرنے کے لئے مراعات ان کو دیں، مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندروں پر بھی اس کی نوازشیں یکساں مبذول رہیں، اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو و مسلمان دونوں مل کر آزاد رہیں، آزاد مریں اور آزاد جئیں، یہ تھے وہ

[۴۵] بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد میسور صفحہ ۵۶

مقاصدِ جلیلہ جن کے حصول کے لئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ ان عزائم جلیلہ سے اس وقت اگر کوئی واقف تھا تو وہ تھی ایسٹ انڈیا کمپنی، اگر سلطان شہید سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف ہندوستان آزاد رہتا۔ بلکہ ممالکِ اسلامیہ اور اقوامِ ایشیا بھی یورپین لٹیروں کی دست برد سے محفوظ رہتیں۔

ایسے مجاہدِ جلیل اور بطلِ حریت کے لئے خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔ عقیدت کے پھول نچھاور کرنے والوں میں اپنے بھی ہیں اور پرائے بھی، ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی اور وہ شریف انگریز بھی کہ جن کے ہم قوم افراد کے ہاتھوں سلطان شہید کی جگمگاتی ہوئی شمعِ حیات کو گُل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

ڈاکٹر جے، آر، ہنڈرسن سی، آئی، ای نے سلطان کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ (ٹیپو سلطان) ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اس کی نظیر نہیں دیکھ سکے گا۔ اس کے ارادے بہت بلند، اس کی قابلیت حیرت انگیز اور سلطنت بہت وسیع تھی، وہ ایک مجاہد تھا اور مجاہدانہ صفات کا حامل"[۴۶] ایک امریکن مؤرخ برڈراُوڈکلف نے سلطان کی شہادت کے ۲۴ برس بعد مشہدِ سلطانی پر بیٹھ کر کچھ ایسے تاثرات ظاہر کئے تھے۔ "اے آسمانِ جہاد کے ستارے! تو غروب ہو گیا لیکن اُن ذلیل انسانوں کی طرح نہیں کہ جو مغرور و سربلند دشمنوں کے سامنے معافی و جاں بخشی کے لئے خاکِ مذلت پر سربسجود ہو گئے..... تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا اور سپاہی کی طرح مر گیا..... مجاہدوں کی صف میں رہ کر جان دینا ایسے لوگوں کے ساتھ زندہ رہ کر فرماں روائی کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو"[۴۷]

گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں "سلطان ٹیپو کے کارنامۂ زندگی کی یاد دل کے اندر خوشی و مسرت کا طوفان پیدا کر دیتی ہے..... ہمیں بھی اس کے اس الہامی مقولے کو یاد رکھنا چاہئے کہ "دو دن شیر کی طرح جینا کتوں کی دو سو سال کی زندگی سے بہتر ہے"[۴۸]

جولائی ۱۹۳۹ء کے میتھک سوسائٹی جرنل میں ایک مضمون "میکنگ آف میسور" کے عنوان سے چھپا تھا لکھا ہے کہ "وہ (ٹیپو سلطان) ایک نہایت ہی اعلیٰ حوصلہ حکمراں تھا وہ صحیح معنی میں "شیر میسور" تھا۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں اس سے خائف تھے..... اگرچہ آج اس کو گذرے ہوئے سوا صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے لیکن لوگ آج بھی اس کے عمدہ صفات کا لحاظ کر کے ادب و احترام کرتے ہیں اور بمقابلہ معترضین کے اس کے مداح دن بدن

---

[۴۶] بحوالہ تاریخ سلطنتِ خداداد میسور ص ۵۷۳۔ [۴۷] ایضاً ص ۶۳۰۔ [۴۸] ایضاً ص ۵۳۲۔

بڑھتے جارہے ہیں۔"

یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو ریاستِ میسور کے سابق وزیرِ اعلیٰ مسٹر کے۔ ہنومنتیا نے عظیم تر میسور کے افتتاح کے موقع پر جس کے قیام کے لئے انھوں نے زبردست جدوجہد کی تھی پیغام دیتے ہوئے کہا "تاریخی دستاویزات سے ظاہر ہے کہ ٹیپو سلطان ..... کے دو مقاصد تھے ایک یہ کہ ہندوستان کو انگریزوں کے غلبہ سے آزاد کیا جائے دوسرا یہ کہ حکومت کو عوامی بنایا جائے۔ چنانچہ ٹیپو سلطان بعض دستاویزات پر "شہری ٹیپو" کے نام سے دستخط کیا کرتے تھے۔ ان کے ڈیڑھ سو سال بعد انڈین نیشنل کانگریس نے جو کچھ حاصل کیا اس کا خواب ٹیپو سلطان نے دیکھا تھا اور اس کی خاطر انھوں نے اپنی جان بھی قربان کی تھی۔ انھوں نے اپنے ہی وزیروں اور جرنیلوں کی غداری کی وجہ سے شہادت پائی۔ آج بھی لوگ اُن اشخاص کو یاد کرکے اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ۱۷۹۷ء میں سلطان کی سلطنت کا جو علاقہ تھا آج عظیم تر میسور کا بھی اُتنا ہی علاقہ ہے۔ یہ عجب حسنِ اتفاق ہے کہ ٹیپو نے منگلور کے قریب ایک بندرگاہ تعمیر کرنے کا کام شروع کیا تھا اور آج ہم پنجسالہ پلان کے تحت اسی جگہ کو ایک عظیم بندرگاہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"[۴۹]

دل کشا انسٹیٹوٹ کلکتہ میں زیرِ صدارت ڈاکٹر کالیداس ناگ "یوم ٹیپو سلطان" منایا گیا۔ صدر نے بتایا کہ انھوں نے بسلسلۂ ریسرچ فرانس کے دورانِ قیام میں اس امر کی شہادتیں فراہم کیں کہ "ٹیپو سلطان اپنے وقت کے ایک زبردست انقلابی تھے، وہ فرانس کے جیکوبن کلب کے ممبر تھے، فرانس والوں نے سلطان کی عزت افزائی کے لئے انھیں فرانس کی شہریت عطا کر رکھی تھی اور انھیں "سٹیزن ٹیپو" کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔"[۵۰]

اسی طرح ڈاکٹر علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، پروفیسر محمود شیرانی، سیماب اکبرآبادی، مولانا ماہر القادری، مولانا اظہر امرتسری، فاخر ہریانوی، مولانا روش صدیقی، محمود بنگلوری وغیرہم جیسے صدہا حکماء، فضلاء اور شعراء کی صداقت پسند جماعت ہے جو ان کے مداحین کی ہے اور جس نے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ سلطان شہید کے حضور میں خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ دو چار نمونے ملاحظہ ہوں:-

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے اپنے مخصوص عارفانہ انداز میں متعدد جگہ مختلف عنوانات سے عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

بیشتر رفتم کہ بوسم خاکِ او ❊ تا شنیدم از مزارِ پاکِ او

---

[۴۹] بحوالہ روزنامہ پاسبان بنگلور مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۵۶ء یوم جمعہ مطابق ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

[۵۰] ماخوذ از سیاست جدید کانپور مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۶۳ء

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست ؛ ہمچوں مرداں جاں سپردن زندگی ست

پھر ایک دوسرے موقع پر جاوید نامہ میں "پیغام سلطان شہید بہ رودِ کاویری" کے تحت زندگی و موت اور شہادت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:-

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است ؛ موت نیرنج و طلسم و سیمیا است

بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ ؛ یک مقام از صد مقامِ اوست مرگ

می فتد بر مرگ آں مردِ تمام ؛ مثل شاہینے کہ افتد بر حمام

ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ ؛ زندگی او را حرام از بیم مرگ

بندۂ آزاد را شانے دگر ؛ مرگ، او را می دہد جانے دگر

آں دگر مرگ انتہائے راہِ شوق ؛ آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست ؛ ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست

کس نداند جز شہید[۱] ایں نکتہ را
کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اپنے تاثرات "سرنگاپٹم" کی نظم میں قلم بند کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر ؛ مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت ؛ اس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے ؛ اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا ؛ جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی ؛ یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

مجاہدِ ملک و ملت حضرت ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں مولانا روش صدیقی نے قوم کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لکھتے ہیں:-

(۱) اے شجاعِ ازل! اے ہند کے فرزندِ جلیل ؛ زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل
نامرادی تری آئینِ وفا کی تکمیل

رزم آرا علمِ جیشِ صداقت تجھ سے ؛ زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

---

[۱] شہید کا اشارہ حضرت ٹیپو سلطان شہید کی طرف ہے (مؤلف)

(۲) ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تو نے کیا! ❊ حقِ وفا داریِ مشرق کا ادا تو نے کیا!

پرچم افشاں علم دینِ خدا تو نے کیا!

حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے ❊ ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تو نے

(۳) ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے ❊ سطوتِ غیر جو مجبورِ نگوں ساری ہے

یہ ترے شعلۂ ایثار کی گُل کاری ہے

سرِ تکمیل ترا جذب تمام آ پہنچا ❊ صبحِ آزادیٔ مشرق کا پیام آ پہنچا

"آزادیٔ مشرق کا پیام" آج جیتی جاگتی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور ہم آزادی سے ہم کنار ہیں۔ اس آزادی سے ہمیں محبت ہے اس لئے کہ اس کے حاصل کرنے میں ہم نے اپنی حیثیت سے کہیں زائد جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور قید و بند کے مصائب و شدائد جھیلے ہیں۔ سلطان شہید نے آزادی کی شمع کو روشن کیا تھا ہم نے اس کو بجھنے نہیں دیا۔ اس سلسلے میں شہدائے بالاکوٹ کے سردارِ اعلیٰ سید احمد شہید بریلویؒ اور اُن کے رفقا کار اور معتقدین کے کارنامے بھلائے نہیں جا سکتے، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں سب سے اہم پارٹ ہم نے ادا کیا ہے اور اس کے بعد بھی مجاہدینِ پنجار وستھانہ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی ہے۔ ماخوذین مقدمہ انبالہ ۱۸۶۲ء بالخصوص مولوی محمد جعفر تھانیسری اور اکابرینِ محلہ صادق پور پٹنہ کی خانہ ویرانی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ "ریشمی خطوط کی تحریک" اور "تحریکِ خلافت" بھی آزادیٔ وطن کی خاطر تھی اور اس کے روحِ رواں بھی تو ہم ہی تھے، غرضیکہ سلطان شہید کے سبق کو ہم نے بھلایا نہیں اس کا اعادہ ہر دور میں اکابرینِ ملت کے ذریعہ ہوتا رہا۔ لیکن آج جبکہ ہم آزاد ہیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی خدمات کا اعتراف تو کجا انہیں بھلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن کو دیکھئے۔ ہندی لیڈروں میں صفِ اول کے نہیں صفِ دوم کے ایک ایک لیڈر کا حال پڑھ لیجئے۔ آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ مولانا محمد علیؒ کا تمغۂ افتخار "گمنامی" ہے کہ جنھوں نے بقول مسٹر ولنٹائن شرل "کانگریس میں داخل ہو کر امن پسند ہندوؤں میں جرأت کے عناصر پیدا کئے اور مسلمان فوج کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا"[۵۲]۔ حضرت مولانا محمود الحسنؒ کا نشانِ امتیاز "بے نشانی" ہے کہ جنھوں نے "ریشمی خطوط" کے ذریعہ بیرونی ممالک افغانستان، عرب و ترکی وغیرہ کو ہندوستان کی مدد کے لئے آمادہ کیا اور اندرونِ ملک انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بغاوت کی تنظیم کی۔ بہر حال یہی انداز دوسرے مسلم لیڈروں کے ساتھ ہے۔ لیکن پروپیگنڈہ کی اس سحر کاری سے نہ ہمیں مرعوب ہونا ہے اور نہ بددل ہونا ہے، ہمیں ہند کی آزادی کو بہر صورت برقرار رکھنا ہے اور داخلی و خارجی خطرات کا جن سے ملک دوچار ہے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے اس لئے کہ آزادی کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہم سے زائد اور کس کو ہو سکتا ہے؟

[۵۲] "اضطرابِ ہند" مصنفہ سر ویلنٹائن شرل بحوالہ "مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ" ص ۱۳۱ مصنفہ عبد الوحید خاں۔

لی دروازہ
اڈی دروازہ
نی دروازہ
نگلور دروازہ
یسور دروازہ
تھی دروازہ
جس میں انگریزی فوج پوشیدہ تھی۔
کے لئے دو الٹی توپیں پڑی ہوئی ہیں۔
شگاف جس میں داخل ہو کر حملہ کیا گیا۔
بتیری۔
سجد احمدی۔
ندر سری رنگا سوامی۔
اجہ میسور کا محل۔
لطانی محل۔
مندر۔
= پختہ چہار دیواری۔
شہیدِ سلطانی۔
ر صادق کی اصلی قبر شرقاً غرباً
صادق کی نقلی قبر شرقاً غرباً۔
سجدِ اعلیٰ۔
مندر۔
بتیری۔
عمل۔
سجد باقری
- - - خام چہار دیواری۔
بارکیں۔
بارکیں۔
مسجد حسینی۔
مسجد صفدری۔
مندر۔
اناج کا مخزن۔
کمان۔
موجودہ ریلوے اسٹیشن۔